اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ (ال عمرن:173)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سبحان تیری قدرت:

انسان اگر اپنے اردگرد پھیلی ہوئی اس کائنات میں غور کرے تو یہ جلوہ گاہِ یار نظر آتی ہے۔قدم قدم پر اللہ رب العزت کی قدرت کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ یہ قدرتی مناظر اللہ رب العزت کی صفات کے آئینہ دار ہیں۔آسمان کی وسعتوں کو دیکھیں تو اللہ کی عظمت اور کبریائی سامنے آتی ہے۔انسان کا ذہن اتنا محدود ہے کہ اگر وہ سوچنا چاہے کہ آسمان کی انتہا کہاں ہے،تو دماغ میں نہیں آسکتی۔اگر کوئی یہ سوچے کہ اس کائنات کی وسعت کہاں تک ہے،تو دماغ میں سوچ سوچ کر کہ وہاں تک ہوگی،تو دماغ میں پھر سوچ آئے گی کہ اس سے آگے بھی کائنات ہے۔جس انسان کا دماغ اتنا چھوٹا ہے کہ اس میں کائنات کی وسعت نہیں آسکتی، وہ اللہ کی ذات کو کیا سمجھ پائے گا!

☆ ہم اگر سمندر کے طلاطم کو دیکھیں،سمندر کے اندر جو موجیں ایک دوسرے کے اوپر گر رہی ہوتی ہیں ،ان کو دیکھ کر اللہ رب العزت کی رحمت کے بے پایاں سمندر کا اندازہ ہوتا ہے۔

☆ سورج کو دیکھیں، جو ہر وقت نور برساتا ہے،تو بے اختیار دل میں بات آتی ہے، اللہ! آپ کی اپنی ذات کے نور کا کیا عالم ہوگا!

☆ پھول کو دیکھیں تو اللہ رب العزت کا جمال نظر آتا ہے۔

☆ شیر کو دیکھیں تو اللہ رب العزت کا جلال نظر آتا ہے۔حالانکہ شیر ایک جانور ہے،مگر اس کے اندر اتنی

ہیبت ہے، اتنا خوف ہے کہ بندہ اس کے قریب جاتا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ! جس مخلوق کو آپ نے پیدا کیا اس کا اتنا جلال ہے تو جب آپ کسی بات پہ خفا ہوتے ہوں گے تو آپ کے جلال کا کیا عالم ہوگا!؟ جانوروں کو دیکھیں تو اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کرنے کی سمجھ آجاتی ہے کہ جس جانور کو اللہ نے جس ہیئت پر پیدا کیا وہ پوری زندگی اسی پر گذار دیتا ہے۔

اللہ سب سے بڑا ہے:

سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت بہت بڑے ہیں۔ جتنا ہم سوچتے ہیں اس سے بھی بڑے ہیں، اور سوچیں تو اس سے بھی بڑے ہیں، اس سے بھی زیادہ سوچیں تو اس سے بھی زیادہ بڑے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں: ''اللہ اکبر''۔ اللہ سب سے بڑے ہیں۔

اذان کے شروع میں چار مرتبہ کہا جاتا ہے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ یہ چار مرتبہ کہنے کی حکمت کیا ہے؟ حکمت یہ ہے کہ مخلوق چار عناصر۔ آگ، پانی، ہوا، مٹی سے مل کر بنی ہے۔ کچھ مخلوق آگ سے بنی، جیسے جن۔ اسی طرح کچھ پانی کی مخلوق ہے، کچھ ہوا کی مخلوق ہے، کچھ مٹی سے بننے والی مخلوق ہے۔ جب مؤذن اللہ اکبر کہہ رہا ہوتا ہے تو وہ پیغام دے رہا ہوتا ہے کہ آؤ! اس پروردگار کی طرف

☆ جو آگ اور اس کی مخلوق سے بھی زیادہ طاقت والا ہے۔

☆ جو پانی اور اس کی مخلوق سے بھی زیادہ طاقت والا ہے۔

☆ جو ہوا اور اس کی مخلوق سے بھی زیادہ طاقت والا ہے۔

☆ جو مٹی اور اس کی مخلوق سے بھی زیادہ طاقت والا ہے۔

آگ کی طاقت:

آگ اتنی طاقت والی ہے کہ جب یہ بڑھتی ہے تو پھر بجھائی نہیں جاسکتی۔ رشیا میں ایک جگہ سفر کرتے

ہوئے ہم نے آگ کا ایک شعلہ دیکھا جو پتہ نہیں کتنے فرلانگ اونچا تھا۔ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا: بھئی! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: جی تیل کا کنواں کھود رہے تھے، جب اس میں سے تیل نکلنے کا وقت آیا تو کسی فنی خرابی کی وجہ سے اس میں آگ لگ گئی۔ اب وہ تیل اتنے پریشر سے نکل رہا ہے اور اس میں آگ بھی لگی ہوئی ہے۔ یہ اتنی شدید آگ ہے کہ پوری دنیا کی کمپنیوں نے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کر لی ہے، سالوں گذر چکے ہیں مگر آج تک آگ نہیں بجھا سکے۔

پانی کی طاقت:

کبھی آپ نے پانی کی طاقت دیکھی ہے؟ اللہ اکبر، اگر کبھی سمندر میں طوفان آ جائے تو بڑے بڑے جہاز الٹے ہو جاتے ہیں۔ پانی کی طاقت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ فرنگی ماہرین نے Titanic (ٹائی ٹینک) نامی جہاز بنایا تو دعویٰ کیا کہ یہ ٹوٹ ہی نہیں سکتا یعنی پانی میں ڈوب ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ بحری جہاز ایک سمندری طوفان میں پھنس کر دو ٹکڑے ہو گیا اور ڈوب گیا۔

سیلاب آتا ہے شہروں کے شہر برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا طوفان آیا تھا اس کو سونامی کا نام دیا گیا۔ لیکن شہروں کے شہر ختم ہو گئے۔ بلڈنگز ختم ہو گئیں۔ یہاں تک کہ انسانوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ پانی کی اتنی طاقت ہے۔

ہوا کی طاقت:

ہوا کی طاقت کتنی ہے؟ قومِ عاد کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا۔ ان کے قد بڑے اونچے لمبے تھے۔ کہتے تھے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حٰمٓ السجدہ:15) ہم سے کون ہے زیادہ طاقت والا؟ اللہ نے ہوا کا عذاب بھیج دیا۔ فرمایا:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا (حٰمٓ السجدہ:16) ہم نے بھیجی ان پر تیز و تند ہوا

وہ ہوا مومن کے لیے اتنے مزے کی تھی کہ کہتے تھے بڑے مزے کی ہوا چل رہی ہے اور کافر کے لیے اتنی زیادہ سخت تھی کہ ان کو اس نے پٹخ پٹخ کر زمین پر مارا اور اگلے دن ان کفار کی لاشیں زمین پر اس طرح بکھری پڑی تھیں:

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (الحآقہ:7) جیسے کھجور کے تنے زمین پر لیٹے ہوئے ہوں

مٹی کی طاقت:

مٹی کے اندر بھی ایک طاقت ہے۔ کشمیر میں کیا ہوا؟ رمضان کا مہینہ ہے، لوگ فجر کی نماز پڑھ کر سوئے ہوئے ہیں، مٹی کے اندر ایک جھٹکا سا آیا، یعنی زمین میں زلزلہ آیا تو پھر پورے کے پورے مکان زمین میں دھنس گئے۔ اللہ اکبر کبیرا، ان مخلوقات کے اندر اتنی طاقت ہے۔ لیکن مؤذن ہر مرتبہ کہہ رہا ہوتا ہے، لوگو! تمہیں اس پروردگار کی طرف بلایا جا رہا ہے جس کی طاقت اور قوت آگ کی طاقت سے بھی زیادہ ہے۔ اور مٹی کی طاقت سے بھی زیادہ ہے۔

مرضیءِ مولیٰ، ہر حال میں اولیٰ:

یاد رکھیں! مرضی ہر حال میں اللہ رب العزت کی پوری ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

☆ حضرت آدمؑ جنت میں ہیں اور دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ جنت میں رہیں، لیکن اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا میں بھیجیں۔ شیطان نے آ کر مشورہ دیا کہ یہ دانہ کھا لیں تو آپ ہمیشہ جنت میں رہیں گے چنانچہ دانہ کھا لیا اور نتیجہ کیا نکلا؟ زمین پر اترنا پڑا۔ تو منشا کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

☆ حضرت نوحؑ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ طوفان آ چکا ہے، کشتی میں سوار ہیں۔ سگا بیٹا سامنے کھڑا

ہے۔فرماتے ہیں:

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا (ھود:42)

''اے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ''

بیٹا سنی ان سنی کر دیتا ہے۔بات ہی نہیں مانتا......آج کل بھی تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ باپ دین کی کشتی پر سوار ہے اور بیٹا فسق و فجور کے طوفان میں ہے۔باپ کہتا ہے: يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا (ھود:42) بیٹے! نیک بن جاؤ، آؤ ہمارے ساتھ دین کی کشتی میں سوار ہو جاؤ، مگر وہ سنی ان سنی کر دیتا ہے۔حضرت نوحؑ کی اتنی چاہت ہے، لیکن بیٹا بالآخر وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ (ھود:43) ان دونوں کے درمیان پانی کی ایک موج حائل ہوگئی اور وہ والد کے سامنے طوفان میں غرق ہو گیا تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

☆ ایک موقعہ پر نبی علیہ السلام نے دل میں ارادہ فرمالیا کہ میں شہد استعمال نہیں کروں گا کیوں کہ اس میں ایک خاص قسم کی مہک آتی ہے۔جب ارادہ فرمالیا تو رب کریم کی طرف سے محبوبانہ خطاب آگیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ج تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التحریم:1) اے نبی ﷺ! آپ اسے کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا؟ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہد کا استعمال دوبارہ شروع فرما دیا۔پھر مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی، تو یہ بات دل میں بٹھا لیجیے کہ اللہ رب العزت سب سے بڑے ہیں مرضی ہر حال میں اسی اللہ کی پوری ہوتی ہے۔

مشرک اور متکبر کا انجام:

اللہ کے سامنے کسی کی بڑائی نہیں چل سکتی۔ آپ غور کریں کہ دو بندے ایسے ہیں جن کو نہ تو جنت کی خوش بو مل سکے گی اور نہ ہی وہ جنت میں قدم رکھ سکیں گے......کون؟

ایک مشرک۔ جس کے بارے میں فیصلہ ہی کر دیا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النسآء:48)

اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کریں گے۔ اس کے سوا کوئی بھی گناہ لے کر آئے گا چاہیں گے تو معاف کر دیں گے۔ دوسرا، حدیث پاک میں فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ جس کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

نہ مشرک نہ ہی متکبر:

متکبر اسے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے۔ اور مشرک اسے کہتے ہیں جو مخلوق میں سے کسی کو بڑا سمجھے۔ جی ہاں! بڑا سمجھتا ہے تو سجدے کرتا ہے نا......تو جس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اس پر بھی جنت حرام۔ اس لیے جب ہم اللہ اکبر کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نہ میں بڑا نہ کوئی اور بڑا۔ بڑا کون ہے؟ اللہ رب العزت ہی بڑے ہیں۔ جس نے دن میں پانچ مرتبہ مسجد میں بلایا، اس لیے کہ تم دنیا کے کاموں میں لگے ہوئے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم سبق بھول جاؤ۔ تمہیں یاد دہانی رہنی چاہیے۔

دو کلام ایسے ہیں جن کو سن کر شیطان دور بھاگتا ہے۔ ایک ''اللہ اکبر''۔ حدیث پاک میں آیا ہے: ''جب مؤذن ''اللہ اکبر'' کہتا ہے تو اس کو سنتے ہی شیطان دور بھاگتا ہے''۔ اور دوسرا کلام جس سے شیطان دور

بھاگتا ہے وہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔اس کلام سے تو اس کی ریح خارج ہوتی ہے۔

جلالِ خداوندی کے سامنے جبرئیلؑ کی حیثیت:

جبرئیلؑ اتنے بڑے ہیں اگر اپنے پر پھلائیں تو ایک پر سے مشرق کو ڈھانپ دیں اور دوسرے پر سے مغرب کو ڈھانپ دیں۔زمین پر کھڑے ہوں تو ان کا سر آسمان کی بلندیوں کو چھوئے۔طاقت اتنی ہے کہ زمین کے ٹکڑے کو پر سے اکھاڑا اور آسمان کی بلندیوں پر لے جا کر نیچے دے مارا۔

تیزی اتنی ہے کہ بارش کا ایک قطرہ زمین سے ایک بالشت کے فاصلے پر ہو تو اس سے پہلے کہ وہ قطرہ زمین پر پہنچے وہ آسمان سے زمین پر آ کر واپس جا سکتے ہیں۔

ان کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بسا اوقات جبرئیلؑ پر اللہ تعالیٰ کے جلال کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ ان کا قد ایک چڑیا کے برابر بن جاتا ہے۔ان کے ہاں اللہ رب العزت کی عظمت اتنی ہوتی ہے کہ وہ کانپ رہے ہوتے ہیں۔ہمیں بھی اپنے دلوں میں اس اللہ کی عظمت کو بٹھانا چاہیے تاکہ گناہوں کا چھوڑنا آسان ہو جائے۔

ایک تعجب خیز بات:

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ بیان کیا تو ایک نوجوان آیا، وہ کہنے لگا: جی آپ نے ایک فقرہ بولا ہے۔میں نے کہا: ہاں، کیا فقرہ بولا تھا؟

عَجَبًا لِضَعِيْفٍ يَعْصِيْ قَوِيًّا

”تعجب ہے اس ضعیف پر جو قوی کی نافرمانی کرتا ہے“

بندے سے زیادہ ضعیف کوئی نہیں اور اللہ سے زیادہ قوی کوئی نہیں۔کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک ضعیف

ایک قوی کی نافرمانی کر رہا ہوتا ہے۔ جب دل میں عظمتِ خداوندی بیٹھ جاتی ہے تو پھر انسان آسانی سے گناہوں سے بچ سکتا ہے۔

ذکرِ کثیر کا مقصد:

اللہ رب العزت نے اسی لیے تو ذکرِ کثیر کا حکم دیا ہے:

اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب:41)

مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ ہر وقت اپنے دل میں اللہ کی یاد رکھیں کہ اللہ بہت بڑے ہیں پھر دنیا ان کا دل نہیں لبھا سکے گی۔ ان کو اس راستے سے نہیں ہٹا سکے گی۔ اس لیے مومن بہانے بہانے سے اللہ کی بات چھیڑ دیتا ہے...... اماں کو دیکھو وہ کہیں بھی ہو بیٹے کا تذکرہ چھیڑ دیتی ہے۔ کہتی ہے: میرا بیٹا دودھ کو دودھو کہتا ہے، وہ محبت سے کہہ رہی ہوتی ہے۔ بیوی کو خاوند سے محبت ہوتی ہے اسلیے وہ پانچ منٹ میں اپنے خاوند کی ساری باتیں دوسری عورتوں کو بتا دیتی ہے...... اسی طرح مومن کو اپنے رب سے محبت ہوتی ہے۔ اس لیے جہاں بھی وہ بیٹھتا ہے، اللہ کی بات کرتا ہے۔

"جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں"

اللہ کا تذکرہ...... اللہ کی باتیں...... اللہ کی عظمت...... اللہ کی نعمتوں کے تذکرے کرنا مومن کا شیوہ ہوتا ہے۔

اللہ کے رجسٹرڈ بندے بنئے:

اگر آج ہم اللہ رب العزت کے ساتھ محبت کا اظہار کریں گے تو قیامت کے دن اس کا انعام پائیں گے۔ یہ جو ایمان ہے نا، یہ رجسٹریشن ہے بندے کی کہ یہ اللہ کی بندگی میں داخل ہو گئے اور اللہ کے رجسٹرڈ

بندے بن گئے ہیں۔ایک سکول تھا وہاں طلبا ایک کھڑکی کے سامنے لائن میں جا رہے تھے،اس کھڑکی کے پاس جانے پر ہر طالب علم کو مٹھائی کا ایک ڈبہ دیا جاتا تھا،ایک دیہاتی لڑکے نے جب یہ دیکھا کہ اس کھڑکی کے سامنے جانے پر مٹھائی کا ڈبہ ملتا ہے تو وہ بھی لائن میں لگ گیا،آگے بڑھتے بڑھتے اس دیہاتی کی بھی باری آ گئی،جب وہ کھڑکی کے پاس پہنچا تو مٹھائی کا ڈبہ دینے والے نے کہا: اپنا آئی ڈی کارڈ دکھاؤ! یہ کہنے لگا: وہ کیا ہوتا ہے؟اس نے کہا: جو سٹوڈنٹس یہاں رجسٹرڈ ہیں ان کا ایک آئی ڈی کارڈ بنا ہوتا ہے اور ان کو یہ انعام میں مٹھائی کا ڈبہ مل رہا ہے،تم اگر رجسٹرڈ نہیں ہو تو پھر جاؤ یہاں سے۔جیسے سکول کے رجسٹرڈ طلبا کو انعام میں مٹھائی کا ڈبہ ملا،اسی طرح آج جس نے ایمان کو رجسٹرڈ کروا لیا،کل قیامت کے دن جب اللہ کے پاس جائے گا تو انعام کا ڈبہ پا لے گا۔اور اگر کوئی دیہاتی کی طرح ویسے ہی لائن میں لگ کر چلا گیا تو اس کو کہا جائے گا.Prove your identity کون ہو بھئی؟ کہاں سے آ گئے؟ دنیا میں کہاں تھے؟

ہر معاملے میں اللہ پر نظر رکھیے:

جیسے بچے کا تعلق ماں سے ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز میں اپنی ماں کی طرف دیکھتا ہے۔مومن کا تعلق بھی اسی طرح اپنے پروردگار کے ساتھ ہوتا ہے۔وہ ہر معاملے میں اللہ پر نظر رکھتا ہے۔ایک بزرگ کسی کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔صاحب خانہ اپنے بچے کو اٹھا کر لے آیا۔ان کے پاس کوئی میٹھی چیز تھی انھوں نے وہ بچے کی طرف بڑھائی مگر بچے نے لینے سے انکار کر دیا،دوبارہ کہا کہ لے لو! لیکن بچے نے پھر بھی انکار کر دیا۔اب یہ بڑی عجیب بات ہے،حالانکہ بچے کے اندر میٹھی چیز کھانے کی Temptation (شدید طلب) ہوتی ہے۔اس کی گروتھ کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ میٹھا کھائے،اس لیے بچے میٹھی چیز کے پیچھے پاگل ہو کر بھاگتے ہیں لیکن جب ان بزرگوں نے بچے کو میٹھی چیز پیش کی تو

اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور مٹھائی لینے سے انکار کر دیا۔

جب دو مرتبہ ان بزرگوں نے اس سے کہا تو بعد میں باپ نے بچے کو کہا: بیٹا لے لو! یہ ہمارے حضرت جی ہیں۔ یعنی باپ نے بچے کو اجازت دی تو پھر بچے نے وہ مٹھائی لے لی۔ اس پر ان بزرگوں کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ یہ دیکھ کر وہ صاحب خانہ معذرت کرنے لگا: جی! بچے نے بدتمیزی کر دی اور آپ سے مٹھائی نہیں لی، آپ اس کو محسوس نہ فرمائیں۔ وہ کہنے لگے: نہیں نہیں، اس وجہ سے آنکھ سے آنسو نہیں آئے، بلکہ مجھے یہ خیال آیا کہ اس کے اندر میٹھا کھانے کی چاہت بھی ہے، پھر بھی جب میں نے اس کو ایک دو دفعہ مٹھائی پیش کی تو اس نے اپنے ''ابا'' کو دیکھا، کاش! میرا بھی ایمان ایسا ہوتا کہ میں بھی ہر معاملے میں اپنے ''ربا'' کو دیکھ لیتا۔

ہم بھی تو باہر نکلتے ہیں، نیلی پیلی مٹھائیاں پھر رہی ہوتی ہیں نا۔ ہم بھی ان مٹھائیوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے کے بجائے اپنے رب کو دیکھیں کہ رب چاہتے ہیں تو دیکھوں گا، نہیں چاہتے تو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔

اللہ تعالیٰ مغیر الاحوال ہیں:

یہ بات ذہن میں رکھیے کہ اللہ رب العزت نے جس طرح اس کائنات کو پیدا کیا اسی طرح اس کائنات میں ادلنے بدلنے والے حالات بھی اللہ رب العزت کی منشا سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغیر الاحوال ہیں۔ دن ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔

وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (ال عمرن:140)

''اور ہم انسانوں کے درمیان دن بدلتے رہتے ہیں''

نہ کسی پر ہمیشہ خوشی نہ کسی پر ہمیشہ غم، نہ ہمیشہ صحت نہ ہمیشہ بیماری، حالات ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ یہ حالات اس لیے بدلتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مختلف حالات میں آزماتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی بندہ کسی مصیبت یا پریشانی میں پھنس جائے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے کہ جی مصیبت ختم ہی نہیں ہوتی تو اس میں اصول سمجھیں کہ مصیبت اللہ رب العزت کی طرف سے آتی ہے۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (التوبہ:51)

”کہہ دیجیے! ہرگز تم کو کوئی پریشانی نہیں پہنچتی مگر وہی جو اللہ نے مقدر میں لکھی ہوتی ہے“

جب مصیبت آتی ہی اللہ کی طرف سے ہے تو پھر مصیبت ختم ہونے کے لیے رجوع بھی اللہ کی طرف کرنا چاہیے۔ ہم کیا کرتے ہیں؟ مصیبت تو اللہ کی طرف سے آتی ہے اور اس کو دور کرنے کے لیے مخلوق کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں یہاں آ کر معاملہ گڑبڑ ہوتا ہے۔ جس نے پریشانی کے عالم میں اللہ رب العزت کی طرف رجوع کیا، اللہ رب العزت اس کے حالات کو سنوار دیتے ہیں۔

نامساعد حالات میں اللہ پر نظر:

انبیائے کرام کے واقعات قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ بتائے گئے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ پہلے والی مقدس ہستیوں پر بھی حالات آئے، انھوں نے ان حالات میں اللہ کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات کو سنوار دیا۔ ہم بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے بنیں۔

حضرت نوحؑ کی اللہ پر نظر:

حضرت نوحؑ تقریباً ایک ہزار سال تک اپنی قوم کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتے رہے۔ بالآخر کہنے لگے:

رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا (نوح:5)

دن اور رات دعوت دی۔مگر قوم ایسی تھی کہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔بہت تھوڑے سے لوگ تھے جو ماننے والے تھے۔حتیٰ کہ حضرت نوحؑ کی طبیعت بھر گئی، کیونکہ قوم بات بات پر مذاق اڑاتی تھی۔یہاں تک کہ جب انھوں نے کشتی بنانا شروع کی تو قوم پوچھتی تھی: کیوں بنا رہے ہو؟ وہ فرماتے: طوفان آئے گا۔تو وہ کہتے ہم تو دعائیں مانگتے ہیں کہ طوفان آئے، ریت پر کشتی تھوڑا چلے گی۔تو حضرت نوحؑ فرماتے:

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ (ھود:38) جیسے تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو ایک وقت آئے گا کہ ہم تمہارا مذاق اڑائیں گے۔

تو قوم نے ستا دیا تھا۔وہ اتنے پتھر مارتے تھے کہ آپ پتھروں میں دب جاتے تھے۔بسا اوقات جبرئیلؑ آ کر ان کو پتھروں سے نکالتے تھے، اکیلے تھے۔دیکھیں! انسان کے دل پر کتنا غم ہوتا ہے۔آپ کسی کو چند دن تک کوئی بات سمجھائیں، آپ تنگ آ جائیں گے۔ایک سال کی بات نہیں دو سال کی نہیں ایک ہزار سال کی......اللہ اکبر کبیرا۔دل میں ایک کرب تھا، ایک غم تھا، جس نے ان کو مغموم بنا دیا تھا۔چنانچہ بلآخر انھوں نے اللہ رب العزت سے دعا کی۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ (الصفت:75)

”اور تحقیق نوحؑ نے ہمیں پکارا اور ہم پکار کا بہتر جواب دینے والے ہیں“

وَ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ (الصفت:76) اور ہم نے ان کو اور ان کے اہلِ خانہ کو کربِ عظیم سے نجات دلائی۔

تو اس کرب سے، ان مصیبتوں سے بچانے والا کون ہے؟ اللہ رب العزت ہے۔

بنی اسرائیل احسانِ خداوندی:

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ، دونوں پیغمبر فرعون کی طرف بھیجے گئے۔ انھوں نے اس کو جا کر دعوت دی لیکن فرعون نے اپنی حکومت کے نشے میں ان کی قوم کو پیس کے رکھ دیا۔

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ كُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَ كُمْ (البقرہ:49) بیٹوں کو قتل کر دیتے، بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے۔

آپ ذرا سوچیں وہ کتنا جابر بادشاہ ہوگا! آج کسی کے بچے کو ناحق قتل تو کروا کے دیکھے اگلے دن اس کو اپنی حکومت چھوڑنی پڑ جائے گی۔ جی ہاں! ایک بچے کے قتل کی وجہ سے ایسا ممکن ہے۔ وہاں فرعون نے سینکڑوں نہیں، ہزاروں قتل کروائے، کوئی اف بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس قوم کے اوپر فرعون کا کتنا ہولڈ ہو گا۔ اس عاجز کو مصر میں فرعون کی لاش دیکھنے کا موقع۔ اندازاً چھ فٹ اس کا قد تھا۔ تاریخ اٹھا کر دیکھی تو لکھا ہوا تھا کہ وہ بیس سال کی عمر میں ملک کا بادشاہ بن گیا تھا، اور تقریبا پینسٹھ سال تک ملک کا بادشاہ رہا۔ جس کو نوجوانی میں ہی اقتدار مل گیا ہو تو پھر اس کے اندر فرعونیت آ ہی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اس کے ظلم سے نجات عطا فرمائی۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ لا وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ط وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (الانبیآء:88) اور ہم نے اس کی اس پکار کو قبول کر لیا اور ہم نے اس کو غم سے نجات عطا فرمائی، اور ہم ایمان والوں کو ایسے ہی نجات عطا فرما دیتے ہیں۔

اگر ہم اللہ کو پکاریں گے تو کرب سے، غم سے، مصیبت سے، پریشانی سے ہمیں وہ پروردگار ہی بچانے والا

ہے۔آج ذرا کوئی بات ہوتی ہے تو بھاگتے ہیں عملیات والوں کے پیچھے۔کیا فائدہ ایمان خراب کرنے کا ؟جاؤ تو کسی صاحبِ شریعت بندے کے پاس جاؤ تاکہ کم ازکم شریعت پر عمل تو ہو۔تو ہم نے مصیبت اور پریشانی میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے۔جس نے پریشانی بھیجی ہے وہی ہمیں پریشانی سے دور کرسکتا ہے۔اللہ رب العزت کا یہ وعدہ ایمان والوں کے ساتھ ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے احکام پر ثابت قدم رہیں گے تو وہ رب کریم ہمیں ہر مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا کرے گا۔

حضرت ابرہیمؑ کی اللہ پر نظر:

سیدنا ابراہیمؑ اپنی قوم میں اکیلے تھے۔قوم شرک کرتی ہے اور نمرود کو خدا مانتی ہے بتوں کی پوجا کرتی ہے۔حضرت ابراہیمؑ تو توحیدِ خالص پر عمل کرنے والے ہیں۔ایک موقع پر قوم نے کوئی فنکشن منانا تھا۔چنانچہ وہ ان کو بھی کہنے لگے: چلو ہمارے ساتھ! مگر انھوں نے قوم کو معذرت کردی اور فرمایا:

اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصفت:89) میری طبیت ٹھیک نہیں ہے۔

واقعی اس کفر وشرک کے ماحول کو دیکھ کر ان کی طبیعت کتنی بیزار ہوتی ہوگی۔قوم چلی گئی پیچھے ان کے بت اکیلے تھے، سیدنا ابرہیمؑ نے بھی کیا مزے کا کام کیا۔ایک کلہاڑا لیا،

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا اِلَّا كَبِيْرًا (الانبیآء:58)

سارے بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔جب قوم آئی اور اس نے اپنے معبودوں کا یہ حشر دیکھا تو کہنے لگے یہ کام کس نے کیا؟ تو ان میں سے کسی نے کہا:

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ (الانبیآء:60)

انہوں نے کہا ہم نے ابرہیمؑ نامی ایک نوجوان کے بارے میں سنا ہے، وہ ان بتوں کے بارے میں اس

طرح کی ناگواری کی باتیں کرتا تھا۔لگتا ہے یہ کام اسی نے کیا ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے ابراہیمؑ کو پکڑ لیا اور پوچھا: آپ نے فرمایا: اس بڑے بت سے پوچھو۔ یہ جواب سن کر ہکا بکا رہ گئے کہ کیا کہیں؟ نتیجہ کیا نکلا؟ وہ کہنے لگے:

حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْآ اٰلِهَتَكُمْ (الانبیآء:68)

''اسے آگ میں ڈال دو اور معبودوں کی مدد کرو''

کیا معبود ان کے؟ پتھر کے بنے ہوئے، پتلے خدا، موٹے خدا، چھوٹے خدا ہیں! سب کے سب چھوٹے خدا۔ اب اس وقت ابرہیمؑ کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں تھا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ نمرود نے حضرت ابرہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کی تیاریاں کیں۔ اس زمانے کی عورتیں منت مانتی تھیں کہ اگر میرا بیٹا ہوا تو ابراہیمؑ کی چتا کے لیے اتنے من لکڑیاں ڈالوں گی۔ اتنی لکڑیاں اکٹھی کی گئیں کہ پہاڑ نظر آتا تھا، ان لکڑیوں کو آگ لگائی گئی۔ اتنی آگ تھی کہ اس کے قریب کوئی جا ہی نہیں سکتا تھا، جھولے پر بٹھا کے ڈالا گیا۔ حضرت ابرہیمؑ کو آگ نظر آرہی تھی لیکن ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان پختہ تھا۔ سنیے! امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قَوْلہ تعالیٰ: قَالُوْا حَرِّقُوْهُ (الانبیآء:68) لَمَّا انْقَطَعُوْا بِالْحُجَّةِ اَخَذَتْهُمْ عِزَّةٌ بِاِثْمٍ وَانْصَرَفُوْا اِلٰى طَرِيْقِ الْغَشْمِ وَالْغَلَبَةِ وَ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ رُوِىَ اَنْ قَائِلَ هٰذِهِ الْمَقَالَةِ هُوَ رَجُلٌ مِنَ الْاَكْرَادِ مِنْ اَعْرَابِ فَارِسٍ اَىْ مِنْ بَادِيَتِهَا: قاله ابنُ عُمَرَ وَ مُجَاهِدٌ و ابنُ جُرَيْجٍ۔ و يقالُ اسمُهٗ هَيْزَرُ فَخَسَفَ اللّٰهُ بِهِ الْاَرْضَ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ قِيْلَ بَلْ قَالَهٗ مَلِكُهُمْ نَمْرُوْدُ وَ انْصُرُوْآ اٰلِهَتَكُمْ (الانبیآء:68) بِتَحْرِيْقِ اِبْرَاهِيْمَ لِاَنَّهٗ

يَسُبُّهَا وَ يُعِيبُهَا وَ جَاءَ فِي الْخَبَرِ: اَنْ نَمْرُوْدَ بَنٰى صَرْحًا طُوْلَهٗ ثَمَانُونَ ذِرَاعًا عَرْضُهٗ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا قَالَ ابن اسحاق: وَ جَمَعُوْا الْحَطَبَ شَهْراً ثُمَّ اَوْقَدُوْهُ وَاشْتَعَلَتْ وَاشْتَدَّتْ، حَتّٰى اَنْ كَانَ الطَّائِرُ لَيَمُرُّ بِجَبَاتِهَا فَيَحْتَرِقُ مِنْ شِدَّةِ وَهْجِهَا ثُمَّ قَيَّدُوْا اِبْرَاهِيمَ وَ وَضَعُوْهُ فِي الْمِنْجَنِيْقِ مَغْلُوْلاً و يقالُ اِنَّ اِبْلِيسَ صَنَعَ لَهُمُ الْمِنجَنِيْقَ يَوْمَئِذٍ، فَضَجَّتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَ مَنْ فِيهِنَّ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَ جَمِيْعَ الْخَلْقِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ ضَجَّةً وَاحِدَةً رَبَّنَا، اِبْرَاهِيمُ لَيْسَ فِي الْاَرْضِ اَحَدٌ يَعْبُدُكَ غَيْرُهٗ يُحْرَقُ فِيْكَ فَأْذَنْ لَنَا فِي نُصْرَتِهٖ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنِ اسْتَغَاثَ بِشَيْءٍ مِّنْكُمْ اَوْ دَعَاهُ فَلْيَنْصُرْهُ فَقَدْ اَذِنْتُ لَهٗ فِي ذَالِكَ وَاِنْ لَمْ يَدْعُ غَيْرِي فَاَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَ اَنَا وَلِيُّهٗ فَلَمَّا اَرَادُوْا اِلْقَائَهٗ فِي النَّارِ اَتَاهُ خُزَّانُ الْمَاءِ وَهُوَ فِي الْهَوَاءِ،فَقَالُوْا يَا اِبْرَاهِيمُ اِنْ اَرَدْتَ اَخْمَدْنَا النَّارَ بِالْمَاءِ، فَقَالَ لَا حَاجَةَ لِيْ اِلَيْكُمْ وَ اَتَاهُ مَلَكُ الرِّيْحِ فقال: لَوْ شِئْتَ طَيَّرْتُ النَّارَ فَقَالَ: لَا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ اِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ اَنْتَ الْوَاحِدُ فِي السماء وَ اَنَا وَاحِدٌ فِي الْاَرْضِ لَيْسَ اَحَدٌ يَعْبُدُكَ غَيْرِي حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ:

قوم کے لوگوں نے کہا: کہ جلاؤ۔ جب ان کی حجت منقطع ہوگئی تو وہ ظلم کے طریقے پر چل نکلے (حکومت اور طاقت کے نشے میں بات تو کر نہیں سکتے تھے چنانچہ) کہنے لگے: اس کو جلا دو! روایت کی گئی ہے کہ اس بات کو کہنے والا اعراق کے دیہاتیوں میں سے ایک کرد آدمی تھا۔ ابن عمر، مجاہد اور ابن جریج نے اس بندے کا نام ''ہیرز'' لکھا ہے۔ اللہ نے اس بندے کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین کے

اندر دھنسا ہوا چیختا رہے گا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے بادشاہ نمرود نے کہا تھا کہ تم اپنے معبودوں کی مدد کرو۔اس لیے ابراہیمؑ نے ان کے بارے میں ناپسندیدہ الفاظ کہے تھے اور ان میں عیب نکالا تھا (کہ ان سے پوچھو! وہ تو بتا نہیں سکتے تھے) اور خبر میں یہ بات آتی ہے کہ نمرود نے ایک گڑھا کھدوایا۔اس کی لمبائی اسی ہاتھ تھی اور چوڑائی چالیس ہاتھ تھی۔ابنِ اسحاق فرماتے ہیں کہ وہ ایک مہینہ تک اس میں لکڑیاں جمع کرتے رہے۔پھر انہوں نے آگ کو جلایا، آگ جل اٹھی اور بھڑک گئی۔حتی کہ اگر کوئی پرندہ اس آگ کے اوپر سے گزرنے لگتا تھا تو شدت کی وجہ سے وہ جل کر نیچے گر جاتا تھا (پرندہ بھی اوپر سے نہیں گذر سکتا تھا) پھر انھوں نے ابراھیمؑ کو قید کیا پکڑا اور ان کو منجنیق میں بٹھایا، اس کے وقت ان کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے۔(یوں سمجھ لیں کہ ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھی) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابلیس ایک بندے کی شکل میں آیا تھا اور اس نے آ کر ان کو جھولا بنانے کا گر سکھایا تھا۔(ہدایت دینے والا وہ تھا کہ اس طرح یوں کر کے جھولا بناؤ) آسمان زمین اور جو کچھ اس میں ہے، چیخنے لگے۔ملائکہ اور ساری مخلوق سوائے انسانوں اور جنوں کے (انسانوں اور جنوں کے سوا جتنی مخلوق تھی، جب اس نے یہ منظر دیکھا کہ آگ جل رہی ہے تو چیخ اٹھی، کیونکہ ایک بندے کے لیے چند فٹ کی آگ بھی کافی ہوسکتی ہے اور یہ اتنی آگ تھی کہ پرندے بھی قریب سے نہیں گذر سکتے تھے۔پھر جھولے میں بٹھایا گیا ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔اب وہ جھولا جھلا کر ان کو آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔اس وقت آسمان اور زمین اور اس کے اندر کی مخلوق پکار اٹھی۔کہنے لگی: اے ہمارے پروردگار! ابرہیم اکیلا ہی تو زمین میں ہے جو تیری عبادت کرتا ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں کرتا۔آپکی خاطر اسے جلایا جا رہا ہے، ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم ابراہیم کی مدد کر سکیں۔جیسے کسی پریشانی میں دیکھ کر کہتے ہیں:

Can I help you? What can I do for you?

کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟

تو ساری مخلوق نے بھی یہی بات کی کہ آپ اجازت دے دیں کہ ہم آپ کے ابراہیم کی مدد کر سکیں) اللہ رب العزت نے فرمایا: اگر میرا ابراہیم تم سے مدد مانگے یا تمھاری اس دعوت پر مدد قبول کرے تو تم اس کی مدد کرو۔ میری طرف سے اجازت ہے اور اگر وہ میرے کسی غیر کو نہیں پکارتا تو میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں اور میں اس کا سرپرست ہوں۔ سبحان اللہ! جو بندہ اللہ سے لو لگاتا ہے، اللہ رب العزت اس کے حالات کو بھی جانتے ہیں اور اللہ اس بندے کے سرپرست بھی ہوتے ہیں اس کے نگران اور اور نگہبان ہوتے ہیں) جب ان لوگوں نے ارادہ کرلیا کہ ابراہیم کو آگ میں ڈالیں: ان کے پاس پانی کے فرشتے آئے اس وقت ابراہیم ہوا میں تھے۔ یعنی منجنیق سے نکل کر آگ میں جانے کے لیے ابھی ہوا کے اندر ہیں کہ پانی پر مامور فرشتے آتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اے ابراہیم! اگر آپ چاہیں تو ہم اس آگ کو پانی سے ابھی بجھا دیتے ہیں یعنی بارش برسا دیں گے تو یہ آگ ختم ہو جائے گی۔ (ابراہیمؑ کا یقین اور ایمان دیکھیے) فرمایا: مجھے آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (دنیا کی اسباب کی نفی تو اپنی جگہ فرشتے آتے ہیں اور فرشتوں کو بھی کہہ دیا کہ مجھے آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر ان کے بعد ہوا کا فرشتہ آیا۔ اگر آپ کہیں تو ایسی ہوا چلے کہ آگ کو ہی اڑا کے لے جائے۔

ابراھیمؑ نے فرمایا: نہیں۔ پھر انھوں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا: اے اللہ! تو آسمان میں اکیلا ہے۔ میں زمین میں اکیلا ہوں، میرے سوا تیری عبادت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ میرے لیے اللہ کافی ہے، وہی میرے لیے بہتر وکیل ہے۔ اللہ اکبر! ایمان دیکھیے کیسا تھا! اللہ کے وعدوں پر یقین کتنا تھا! بھروسہ کتنا تھا! سامنے آگ نظر آ رہی ہے، ہوا کے اندر ہیں، اب تو لمحوں کی بات ہے، مگر متزلزل نہیں ہوئے۔ ابی بن کعب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حِينَ قَيَّدُوهُ لِيُلْقُوهُ فِي النَّارِ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ لَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ، قَالَ ثُمَّ رَمَوْا بِهِ فِي الْمَنْجَنِيقِ مِنْ مَضْرِبٍ شَاسِعٍ فَاسْتَقْبَلَهُ جِبْرِيلُ ؛ فَقَالَ: يَا إِبْرَاهِيمُ أَلَكَ حَاجَةٌ؟ قَالَ أَمَّا إِلَيْكَ فَلَا : فَقَالَ جِبْرِيلُ فَاسْئَلْ رَبَّكَ ، فَقَالَ حَسْبِي مِنْ سُؤَالِي عِلْمُهُ بِحَالِي، فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ هُوَ أَصْدَقُ الْقَائِلِينَ: يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ (الانبیآء:69) قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ : جَعَلَ اللّٰهُ فِيهَا بَرْدًا يَرْفَعُ حَرَّهَا، وَ حَرًّا يَرْفَعُ بَرْدَهَا، فَصَارَتْ سَلَامًا عَلَيْهِ قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: وَ لَوْ يَقُلْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا لَكَانَ بَرْدُهَا أَشَدَّ عَلَيْهِ مِنْ حَرِّهَا ،وَ لَوْ لَمْ يَقُلْ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ ، لَكَانَ بَرْدُهَا بَاقِيًا عَلَى الْأَبَدِ، وَ ذَكَرَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَنْزَلَ زِرْبِيَّةً مِنَ الْجَنَّةِ فَبَسَطَهَا فِي الْجَحِيمِ وَ أَنْزَلَ اللّٰهُ مَلَائِكَةً: جِبْرِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَ مَلَكَ الْبَرْدِ وَ مَلَكَ السَّلَامَةِ ۔وَقَالَ عَلِي وَ ابْنِ عَبَّاس۔ وَ لَوْ لَمْ يَتَّبِعْ بَرْدَهَا سَلَامًا لَمَاتَ إِبْرَاهِيمَ مِنْ بَرْدِهَا ،وَ لَمْ تَبْقَ يَوْمَئِذٍ نَارٌ إِلَّا طَفِئَتْ ظَنَّنْتُ أَنَّهَا تَعْنِي ۔قَالَ السُّدِّيُ: وَ أَمَرَ اللّٰهُ كُلَّ عُوْدٍ مِنْ شَجَرَةٍ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى شَجَرَةٍ وَ يَطْرَحُ ثَمَرَتَهُ ۔وَ قَالَ كَعْبٌ وَ قِتَادَةُ: لَمْ تَحْرِقِ النَّارُ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا وَ ثَاقَهُ ۔ وَ قَالَ كَعْبُ وَ قِتَادَةُ وَالزهرى: وَلَمْ تَبْقَ يَوْمَئِذٍ دَابَّةٌ إِلَّا اطْفَأَتْ عَنْهُ النَّارَ إِلَّا الْوَزَغَ فَإِنَّهَا كَانَتْ تَنْفُخُ عَلَيْهِ؛ فَلِذٰلِكَ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِقَتْلِهَا وَ سَمَّاهَا فُوَيْسِقَهُ

”جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں میں ڈالنے کے لیے انھوں نے قید کیا تو حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں عرض کیا: نہیں کوئی معبود سوائے تیرے، تو جہانوں کا پروردگار ہے، سب تعریفیں تیرے لیے ہیں اور تیرے لیے ہی بادشاہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں'' پھر انھوں نے ان کو منجنیق میں بٹھا کر دور سے آگ کے اندر ڈالا۔ اس موقع پر پھر جبرئیلؑ آئے۔ پانی کے فرشتے کو انکار کر دیا، ہوا کے فرشتے کو انکار کر دیا، (جبرئیل تو انبیا کی مدد پر متعین ہیں، انبیا کی مدد کرنا ان کا چارٹر آف ڈیوٹی ہے) جبرئیلؑ نے آکر پوچھا: اے ابراہیمؑ! کیا آپ کو میری مدد کی ضرورت ہے؟ ابراہیمؑ نے فرمایا: اگر تم اپنی طرف سے آئے ہو تو مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا: اے ابراہیم خلیل اللہ! پھر اپنے رب سے سوال کیجیے۔ (جب جبرئیل نے یہ بات کی تو ابراہیمؑ نے عجیب بات کی) فرمایا: سوال کرنے سے یہ بات زیادہ کافی ہے کہ میں جس حال میں ہوں میرا اللہ جانتا ہے۔ (میرے لیے یہ بات کافی ہے، مجھے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میرا پروردگار دیکھنے والا جاننے والا ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور وہ بات کرنے والوں میں سے زیادہ سچا ہے۔ (رب کریم نے آگ کو براہ راست حکم دیا) فرمایا: اے آگ! میرے ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ بعض علما نے یہ فرمایا: اللہ نے اس میں ایسی ٹھنڈک پیدا کر دی جس نے گرمی کو ختم کر دیا اور ایسی گرمی پیدا کر دی جس نے ٹھنڈک ختم کر دیا (آج کے زمانے میں آپ اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ماحول ایئر کنڈیشنڈ بن گیا، نہ آگ محسوس ہوتی تھی اور نہ ہی یخ بستہ ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی) چنانچہ وہ ابراہیمؑ پر سلامتی والی بن گئی۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا (الانبیآء:69) ساتھ نہ کہتے تو اتنی ٹھنڈک ہو جاتی کہ ابراہیمؑ اس ٹھنڈک کی وجہ سے اللہ کو پیارے ہو جاتے۔ (تو اکیلا بَرْدًا نہیں کہا، بلکہ سَلٰمًا۔ یعنی سلامتی والی بھی کہا)۔ اور اگر اللہ تعالیٰ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیآء:69) نہ کہتے تو اس کی ٹھنڈک قیامت تک اسی طرح موجود رہتی۔ (یعنی

جب ابراہیمؑ تھے اس وقت تک ٹھنڈی ہونے کا حکم ہوا۔ اللہ اکبر کبیرا) بعض علما نے یہ لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے ایک مخملی چادر اتاری اور اس کو اس آگ کے اندر بچھا دیا (ابراہیم کے لیے)اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں (جبرئیلؑ، میکائیلؑ، ٹھنڈک کے فرشتے اور سلامتی کے فرشتے) کو اتارا۔ اور حضرت علی اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر ٹھنڈی ہو جا کے بعد سلامتی والی ہو جا نہ کہتے تو ابراہیمؑ اس ٹھنڈک سے ہلاک ہو جاتے۔

اور اس دن دنیا سے ہر آگ بجھ گئی، کیونکہ ہر آگ نے سمجھا شاید یہ حکم مجھے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر لکڑی کو حکم دیا کہ واپس اپنے درخت سے جا لگے اور کعب قتادہ فرماتے ہیں کہ اس دن سوائے چیل کے کوئی جانور ایسا نہ رہا جس نے آپ علیہ السلام کی آگ نہ بجھائی ہو، اور یہ چیل مزید آگ کو پھونک رہی تھی اسی وجہ سے نبیؑ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا اور اس کا نام فوسیقہ رکھا۔

حضرت علی ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک عجیب بات فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: اے آگ! تو سلامتی والی ہو جا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں ''یَا نَارُ'' کہا تھا اس کے لیے سب میں عموم تھا۔ چنانچہ اس حکم کے آتے ہی ابراہیمؑ کی آگ کے ساتھ پوری دنیا میں جہاں آگ جل رہی تھی ہر جگہ بجھ گئی۔ کہ شاید میرے مالک کا یہ حکم مجھے دیا جا رہا ہو،، اس سے پتہ چلا کہ اللہ رب العزت انسان کو مصیبتوں سے بچا لیتے ہیں۔ اگر دنیا کے ظاہری اسباب نہ بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ اسباب کو براہ راست حکم فرما کر اس کو بندے کی فیور میں بنا دیتے ہیں۔ تو یہاں سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہمیں اللہ پر پکا یقین رکھنا چاہیے اور اس کے وعدوں پر بھروسہ رکھنا چاہیے اس لیے کہ اس کے وعدے ہر حال میں سچ ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ اور حفاظتِ خداوندی:

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو فرعون کی طرف بھیجا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک بات ارشاد فرمائی:

لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی (طٰهٰ:46)

''تم دونوں خوف نہ کھاؤ، میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، (فرعون جو بات کہے گا وہ) میں سنوں گا اور (جو عمل کرے گا) میں دیکھوں گا''

یعنی جب سننے والا اور دیکھنے والا ہوں اور تمہارے ساتھ ہوں تو تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح ہر مومن کے ساتھ اللہ کا یہ وعدہ کہ جو حکموں پر ثابت قدم رہے گا، اس کے ساتھ جو بھی پنگا لے گا، اللہ اس کو دیکھے گا اور اللہ اس کو سنے گا۔ اور جب اللہ ساتھ ہے تو پھر پریشانی کس بات کی ہے، اللہ نے اپنے ایمان والے بندوں کو اس لیے تسلی دے دی کہ وہ بالکل پرسکون ہو جائیں۔ ظاہر کی آنکھ سے جو کچھ نظر آتا ہے اس پر فیصلہ نہ کریں، بلکہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کریں، یہی ایمان کا تقاضا ہے۔

خاتم الانبیاء اور حفاظتِ خداوندی:

جب سیدنا رسول اللہ ﷺ ہجرت کا ارادہ فرما چکے تو کافروں نے سوچا کہ ہم ہر قبیلے سے ایک ایک دو دو بندے لے کر مکان گھیرے میں لے لیتے ہیں اور جب صبح کے وقت نماز کے لیے نکلیں گے تو ایک ہی وقت میں حملہ کرکے سب کے سب ان کا کام تمام کر دیں گے۔ پھر قریش اپنے قبیلے والوں کے ساتھ کیسے لڑیں گے ان کی یہ پلاننگ تھی لیکن اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ (الانفال:30)

''اور یاد کرو اس وقت کو جب آپ کے خلاف تدبیر کی کافروں نے کہ آپ کو حبسِ بے جا میں رکھیں، یا آپ کو شہید کر دیں، یا آپ کو دیس نکالا دے دیں۔ انھوں نے بھی تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور

اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے‘‘۔

چنانچہ نبی اپنے گھر سے باحفاظت باہر تشریف لے آتے ہیں مگر ان کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ پھر آپ غارِ ثور کے اندر تشریف لے گئے۔ جب ان کو صبح کو پتہ چلا کہ نبی ﷺ تو چلے گئے تو انھوں نے نبی ﷺ کو ڈھونڈنے پر دو سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا۔ یہ انعام سن کر مکہ میں کوئی ایسا قبیلہ نہیں تھا، کوئی ایسا خاندان نہیں تھا، کوئی ایسا گھر نہیں تھا کہ جس کا نوجوان تلاش کرنے کے لیے پیچھے نہ نکل پڑا ہو۔ وہ جبلِ ثور پر بھی پہنچ گئے۔ مگر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کی حفاظت فرمادی۔

علما نے لکھا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کیسے فرمائی:

وَ اَخْرَجَ اِبْنِ سَعْدُ وَابْنِ مَرْدَوَيه عَنْ اِبْنِ مَصْعَبُ قال: ادركت انس بن مالك و زيد بن ارقم، و المغيرة بن شعبة فَسَمِعْتُهُمْ يتحدثون اَنَّ النبى لَيْلَةَ الْغَارِ اَمَرَ اللّٰهُ شَجَرَةً فَنَبَتَتْ فِي وَجْهِ النَّبِيّ فَسَتَرَتْهُ، وَ اَمَرَ الْعَنْكَبُوْتَ فَنَسَجَتْ فِيْ وَجْهِ النَّبِيّ فَسَتَرَتْهُ وَ اَمَرَ اللّٰهُ حَمَامَتَيْنِ وَحْشِيَّتَيْنِ فَوَقَفَتَا بِفَمّ الْغَارِ وَاَقْبَلَ فَتْيَانُ قُرَيْشٍ مِنْ كُلّ بَطْنٍ رَجُلٌ بِعِصِيّهِمْ وَ اَسْيَافِهِمْ وَ هَرَاوِيْهِمْ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا مِنَ النَّبِيِ ﷺ قَدْرَ اَرْبَعِيْنَ ذِرَاعًا فَنَزَلَ بَعْضُهُمْ فَنَظَرَ فِي الْغَارِ فَرَجَعَ اِلَى اَصْحَابِهِ فَقَالُوْا مَا لَكَ لَمْ تَنْظُرْ فِي الْغَارِ؟ فَقَالَ: رَأَيْتُ حَمَّامَتَيْنِ بِفَمّ الْغَارِ فَعَرَفْتُ اِنَّ لَيْسَ فِيْهِ اَحَدٌ فَسَمِعَ النَّبِيُّ مَا قَالَ عَرَفَ اِنَّ اللّٰهَ دَرَئًا عَنْهُ بِهِمَا فَسَمْتُ النَّبِيُّ عَلَيْهِنَّ وَ فَرَضَ جَزَائُهُنَّ وَانْحَدَرْنَ فِي الْحَرَمِ، فَاخرج ذلك الزوج كل شئى فى الحرم

بیان کرتے ہیں جس رات نبی غار میں روپوش ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک پودے کو حکم دیا، وہ پودا اگ آیا اس نے نبی کے چہرہ انور کو ڈھانپ لیا۔ (غار کے دھانے پر ایک پودا اگ آیا اللہ کے حکم سے) اور اللہ نے مکڑی کو حکم دیا، اس نے غار کے دھانے پر جالا بن دیا اور نبی کو چھپا لیا اور اللہ رب العزت نے جنگلی کبوتر کو حکم دیا کہ وہ غار کے دروازے کے اوپر ہی ٹھہر جائیں چنانچہ غار کے دہانے پر دو جنگلی کبوتر رک گئے) ہر گھر سے تریسٹھ کے نوجوان نکل پڑے اپنے عصا لے کر، اپنی تلواریں لے کر اور اپنے ڈنڈے لے کر، حتیٰ کہ نبی سے چالیس ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا۔ ان میں سے ایک بندہ اپنی سواری سے نیچے اترا اور اس نے غار کے اندر بھی دیکھا۔ جب اس نے دیکھا کہ غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا بھی ہے اور جنگلی کبوتریاں بھی ہیں تو وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس چلا گیا۔ اس سے ساتھیوں نے پوچھا کیا مسئلہ تھا، تو نے غار کے اندر جھانک کر کیوں نہیں دیکھا۔ وہ کہنے لگا میں نے دو کبوتریوں کو غار کے دہانے بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔ لگتا ہے اس غار میں کوئی نہیں۔ اگر کوئی ہوتا تو جنگلی کبوتریاں یہاں نہیں بیٹھتی)۔ نبی نے اس کافر کی وہ باتیں سن لیں جو وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا نبی سمجھ گئے کہ اللہ نے ادھر سے موڑ دیا ہے۔ مکڑی کے جالے کو دنیا میں سب سے کمزور دیوار کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (العنکبوت: 41)

بتلا دیا کہ لوگو! جب میں حفاظت کرنے پر آتا ہوں تو سب سے کمزور دیوار اگر میں حائل کر دیتا ہوں تو پوری دنیا کی طاقت بھی اس دیوار کو توڑ نہیں سکتی میں اس سے بھی حفاظت کر کے دکھا دیتا ہوں۔

ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک عجیب روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

كَانَ اَبُوْ بَكر مع رسولِ اللهِ فی الغارِ فَعَطِشَ، فَقَالَ رَسُولِ اللّٰهِ اِذْهَبْ اِلىٰ صَدْرِ

الْغَارِ فَاَشْرَبْ فَانْطَلَقَ اَبُوْ بَكْرٍ اِلٰى صدرِ الغَارِ فَشَرِبَ مِنْهُ مَاءٌ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَ اَبْيَضَ مِنَ اللَّبَنِ وَ اَزْكٰى رَائِحَةً مِنَ الْمِسْكِ، ثُمَّ عَادَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمَلَكَ الْمُوَكَّلَ بِاَنْهَارِ الْجَنَّةِ اَنْ خَرَقَ نَهْرًا مِنْ جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ اِلٰى صَدرِ الْغَارِ لِتَشْرِبَ

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں نبیؐ کے ساتھ تھے۔ان کو پیاس محسوس ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا: غار کے دہانے پر جاؤ۔ چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے دہانے پر چلے گئے۔ وہاں سے انہوں نے شہد سے زیادہ میٹھا، دودھ سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبودار پانی پیا۔ پھر واپس آ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنت کی نہروں پر مامور فرشتے کو حکم دے دیا کہ وہ تمہارے پینے کے لیے جنت فردوس سے لے کر غار کے دہانے تک ایک نہر کھود دے۔“

اللہ اکبر اللہ تعالیٰ پھر یوں مدد فرماتے ہیں۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی مدد بھی عجیب چیز ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے احکام پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے والے بن جائیں تو جس حال میں بھی ہوں گے ہمارا پروردگار ہماری مدد فرمائے گا اور وہ پروردگار ہمیں مصیبتوں سے نکال دے گا۔ اس لیے آج کا یہ سبق پکا کر لیں کہ نظر کس پر رکھنی ہے؟ اللہ رب العزت کی ذات پر ادھر ادھر سے نگاہیں ہٹا لیں اور ایک اللہ رب العزت پر اپنی نگاہوں کو جما لیں۔ ان مشکلات میں وہی ہمارے کام آئے گا اور اس کرب اور غم سے وہی ہمیں نجات دلائے گا۔

سچے رب کے سچے وعدے:

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ایمان والوں کے ساتھ کچھ وعدے فرماتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ گوش

ہوش کے ساتھ سنیں گے۔

☆اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآءِ کُمْ (النسآء:45)

''اور اللہ بہتر جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو''

ہم نہیں جانتے کہ ہمارا دشمن کون ہے؟ ہماری نظر میں دوست ہوسکتا ہے، مگر دوستی کے رنگ میں دشمنی کر رہا ہو تو دلوں کی نیت کو ہم کیسے جانیں؟

آج کل تو حال بھی یہی ہے۔ کفر دوست بن کر دشمنی کرتا ہے، زیادہ قریب ہو کر زیادہ گہرا زخم لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ اوپر اوپر سے خیر خواہی کر رہا ہوتا ہے اور اندر سے جڑیں کاٹ رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، ایمان والو! تمہیں پتہ نہیں ہے تمہارا دوست کون ہے اور دشمن کون ہے؟...... اگلی بات یہ بتائی:

وَ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا (النسآء:141) اور اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز کافروں کو ایمان والوں تک پہنچنے نہیں دے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ کوئی کسی کے بچے کو مارنا چاہے تو باپ کہتا ہے: میاں تم میری لاش سے گذر کے جاؤ گے بچے کے پاس۔ یعنی پہلے مجھ سے نمٹو! پھر میرے بچے کو ہاتھ لگاؤ! اس آیت کا ترجمہ ہو بہو یہی بنتا ہے۔ کہ ایمان والو! جو تم تک آنا چاہے گا، وہ پہلے مجھ سے نمٹے گا پھر تم تک آئے گا۔ یعنی میں ان کو تم تک آنے ہی نہیں دوں گا، ایک مرغی بچوں کو لے کر پھر رہی ہوتی ہے۔ بلی ادھر آجاتی ہے، مرغی جانتی ہے کہ میں کمزور ہوں، مگر ممتا کی محبت کی وجہ بلی کے سامنے پر پھیلا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ پر پھیلانے کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ بلی کو مارے گی؟ نہیں نہیں، مطلب یہ ہے کہ

اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے تو پہلے مجھے مارو، پھر میرے بچوں کو ہاتھ لگاؤ۔ جب ماں کی ممتا کا یہ حال ہے تو پھر اللہ کی اپنے ایمان والوں کے ساتھ محبت کا کیا عالم ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر کافر تجھ تک آنا چاہیں گے تو میں ان کو آنے ہی نہیں دوں گا۔ ان کے راستہ میں رکاوٹ بن جاؤں گا، ان کا راستہ روک دوں گا تم تک ان کے ہاتھ پہنچ ہی نہیں سکیں گے۔

☆ پھر اگلی بات ذرا اور وضاحت کے ساتھ فرما دی۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المؤمن: 51)

''بے شک ہمارے ذمے ہے مدد اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی، اس دنیا کی زندگی میں بھی اور اس دن جب گواہیاں دی جائیں گی (یعنی قیامت کے دن)

یہ انــا کا لفظ بڑا معنیٰ خیز ہے۔ ترجمہ تو یہی بنتا ہے کہ ہمارے ذمہ ہے مدد اپنے رسولوں کی لیکن سمجھنے کی خاطر ہم اس کا ترجمہ اپنی زبان میں کریں تو یوں بنتا ہے ہم پر فرض ہے، مدد اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی۔ اللہ تعالیٰ پر تو کوئی چیز فرض نہیں، مگر الفاظ کا انداز یہی مفہوم بتا رہا ہے کہ ہم پر لازم ہے مدد اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی۔ یہ دنیا کے کسی وڈیرے کی بات نہیں ہے جو آج وعدہ کرے گا کل کو اس کے خلاف کرے گا یہ تو خدا کی بات ہے۔ یہ مالک الملک کی بات ہے۔ فرما رہے ہیں: ہمارے ذمہ ہے مدد اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی۔

جنگ یرموک میں اللہ کی مدد:

جنگ یرموک میں ایک موقعہ ایسا آیا کہ ایمان والے تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور نصاریٰ بہت زیادہ تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سفید گھوڑے کے جسم پر چھوٹا سا کالا سا داغ ہوتا ہے، اس سفیدی کی طرح

دشمن تھے اور اس کالے داغ کی مانند مسلمان کی تعداد تھی۔ یہ تھے کوئی پانچ سات ہزار، اور وہ تھے کئی لاکھ کی تعداد میں اور مقابلہ تھا۔

اس موقعہ پر امیرِ لشکر نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ ہم بہت تھوڑے ہیں، لہٰذا کچھ فوجی کمک بھیج دیجیے۔ تو عمرؓ نے اس کے جواب میں ایک خط لکھا اور نبی ﷺ کی صحبت کا حق ادا کر دیا۔ خط میں کیا لکھا؟ فرمایا:

قَدْ جَاءَنِيْ كِتَابُكُمْ تَسْتَمِدُّوْنَنِيْ وَ اِنِّيْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ هُوَ اَعَزُّ نَصْرًا وَ اَحْصَنُ جُنْدًا اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ فَاسْتَنْصِرُوْهُ فَاِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْ نُصِرَ فِيْ يَوْمِ بَدْرٍ فِيْ اَقَلَّ مِنْ عِدَّتِكُمْ فَاِذَا جَائَكُمْ كِتَابِيْ هٰذَا فَقَاتِلُوْهُمْ وَ لَا تُرَاجِعُوْنِيْ

تمہارا مکتوب مجھے ملا ہے جس میں تم نے مجھ سے مدد طلب کی ہے۔ میں تمہیں اس ذات کے بارے میں بتاتا ہوں (اس کا پتہ دیتا ہوں) جو سب سے زیادہ غالب آنے والی ذات ہے اور سب سے بہترین لشکر رکھنے والی ذات ہے۔ وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ پس تم اسی سے مدد مانگو۔ اور نبی ﷺ میدان بدر میں تھوڑے تھے مگر اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔ (لہٰذا تم اسی اللہ پر نظر رکھو) جب یہ مکتوب تم تک پہنچے تو تم ان پر ٹوٹ کر حملہ کر دو اور پھر میری طرف اس سلسلہ میں کوئی مراجعت نہ کرو۔

جیسے ہی حضرت عمرؓ کا خط پہنچا، ایمان والوں نے اگلے دن اکٹھے ہو کر ایسا شدید حملہ کیا کہ اللہ کی مدد اتر آئی اور اللہ نے مسلمانوں کو جنگ یرموک میں کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ یہاں قلت اور کثرت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ اللہ کی مدد کا ہے۔ جس پر لڑنے میں اللہ کی مدد اتر آتی ہے، وہ پلڑا بھاری ہو جاتا ہے۔ انھوں نے ہمیں سبق سکھا دیا۔ آج ہمیں بھی ایسا نیک بننے کی

ضرورت ہے کہ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ آ جائے۔ جب مدد آ گئی تو پھر خیر ہے۔ سینکڑوں سالوں کے مشاہدے غلط ثابت ہو جائیں گے۔ بڑی بڑی سپر پاور کو اللہ تعالیٰ آنکھوں کے سامنے صفر پاور بنا دیں گے یہ ایمان بڑی مضبوط چیز ہے۔

غزوہ بدر میں اللہ کی مدد:

اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں بھی صحابہ کرام کی مدد فرمائی۔ وہ کیسے؟ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (ال عمرن: 123) تحقیق اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی اور تم تو کمزور تھے۔

دو تلواریں اور ستر گھوڑے اور بعض کے ہاتھوں میں درختوں کی ٹہنیاں تھی اور ایک ہزار کے مقابلے میں تین سو تیرہ اصحاب خالی ہاتھ آ کر کھڑے ہو گئے۔ صحابہ کی جب نظر پڑی تو ان کو لگتا تھا کہ ہمیں تو موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں گواہی دے رہے ہیں:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ص وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ○ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ○ (الانفال: 5-6)

صحابہ کو اپنی آنکھوں سے موت نظر آ رہی تھی۔ اب سوچیں کہ ایسی موت میں بندے کا کیا حال ہوتا ہے مگر اس وقت اللہ کے پیارے حبیب نے اللہ رب عزت سے مدد مانگی۔ آپ نے قلت اور کثرت کو نہیں دیکھا۔ آپ نے اسباب پر نظر نہیں دوڑائی کہ وہ لوگ لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے۔

☆ زرہیں پہنی ہوئی

☆ خود پہنے ہوئے ہیں

☆ تلواریں ہاتھ میں ہیں

☆ نیزے ہیں

☆ گرز ہیں

اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ کی مدد پر نظر رکھی۔ چنانچہ بدر کی رات میں نبی ﷺ نے اللہ کے سامنے تہجد کے بعد دعا مانگی۔ حضرت ابوبکر صدیق آپ کے خیمے کے باہر سیکورٹی گارڈ کی ڈیوٹی دے رہے تھے۔ آپ نے دعا مانگتے ہوئے فرمایا:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَ وَعْدَكَ۔

"اے اللہ! میں آپ کو آپ کے عہد اور آپ کے وعدے کا واسطہ دیتا ہوں"

دیکھا اللہ نے وعدہ کیا ہوا تھا کہ میں مدد کروں گا، اس لیے اللہ کے نبی نے فرمایا: کہ اے اللہ! میں آپ کو آپ کے عہد اور آپ کے وعدے کا واسطہ دیتا ہوں۔

اس سے آگے عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ "اے اللہ! اگر تو چاہے کہ کفار ہمیں مٹا دیں تو پھر آج کے بعد دنیا میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا"

مرضی تو آپ کی چلنی ہے نا۔

آگے فرماتے ہیں:

فَاَخَذَ اَبُوْ بَكْرٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ: حَسْبُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَدْ اَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ

(جب نبی نے یہ دعا مانگی) تو صدیق اکبر آگے بڑھے اور نبی کا ہاتھ پکڑ کر کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کے لیے یہ دعا کافی ہے، آپ نے اپنے رب سے اصرار کے ساتھ مانگنے کی انتہا کر دی ہے''

کیا عجیب دعا مانگی ہے آپ نے: یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یقین آ گیا کہ اب اللہ کی مدد اتر کر رہے گی۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ جب دن ہوا تو

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر:45)

''وہ جماعت شکست کھا گئی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ گئی''

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی اس وقت اپنی مدد سے فتح عطا فرما دی۔

شاہنامۂ اسلام:

حنیف جالندھری نے شاہنامۂ اسلام لکھا ہے۔ وہ نوجوان کے پڑھنے کی چیز ہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی معیت میں میدانِ بدر میں پہنچے تو اس وقت وہاں کے پہاڑ کی کیا حالت تھی۔ حنیف جالندھری نے ذرا شاعرانہ انداز میں اس کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ تشنہ لب جماعت جب یہاں پر رک گئی آ کر
دعا کی دامن صحرا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر
کہ اے صحرا کو آتشناک چہرہ بخشنے والے
رخِ خورشید کو کرنوں کا سہرا بخشنے والے
ازل کے دن سے اب تک بھاڑ میں بھنتا رہا ہوں میں

صدائے رعدِ باراں دور سے سنتا رہا ہوں میں
ہوا ہوں جب سے پیدا جان پانی کو ترستی ہے
میرے سینے کے اوپر آگ کی بدلی برستی ہے
میں سمجھتا ہوں مقدر ہو چکی ہے دھوپ کی سختی
میری قسمت میں لکھی جا چکی ہے سوختہ بختی
بنایا رفتہ رفتہ میں نے بھی مزاج اپنا
لیا ہر آبلہ پا سے زبردستی خراج اپنا
خبر کیا تھی یا الٰہی! اک دن ایسا بھی آئے گا
کہ تیرا ساقیِ کوثر یہاں تشریف لائے گا
اگر یہ بات پہلے سے معلوم ہو جاتی
میرے دل کی کدورت خود بخود معدوم ہو جاتی
خبر کیا تھی تیرے نمازی یہاں آ کے ٹھہریں گے
شہید آرام فرمائیں گے غازی آ کر ٹھہریں گے
خبر کیا تھی ملے گی یہ سعادت میرے دامن کو
بنایا جائے گا فرشِ سعادت میرے دامن کو
خبر ہوتی میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا
چھپا کر ایک گوشے میں مصفا حوض بھر رکھتا
وہ پانی ان مقدس مہمانوں کو پلا دیتا

میں اپنی تشنگیِ دیدار حضرت سے بجھالیتا
مرے سر پر سے گذرا نوح کے طوفاں کا پانی
تاسف ہے کہ مجھ سے ہو گئی اس وقت نادانی
اگر میں رکھتا اس پانی کی تھوڑی سی خبرداری
تو ہو جا میری آنکھوں سے چشموں کی طرح جاری
یہ ستر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے
مجاہد بھی وضو کرتے نہاتے غسل فرماتے
تیرے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے
الٰہی حکم دے سورج کو اب آگ نہ برسائے
اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی
تو مجھ کو رحمت للعالمین سے شرم آئے گی
جلیل الشان مہمانوں کا صدقہ مہربانی کر
عطا بہرِ وضو ان کے لیے تھوڑا سا پانی کر
برائے چند ساعت ابر باراں بھیج دے یا رب
بہاراں بھیج دے یا رب! بہاراں بھیج دے یا رب!
حضور ساقی کوثر میری کچھ لاج رہ جاتی
مری عزت میری شرم آج رہ جاتی

گویا کہ پہاڑ بھی یہ فریاد کر رہا ہے کہ مجھے نبی ﷺ کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑ جائے کہ میرے پاس تو

خشکی کے سوا کچھ نہیں ......اللہ رب العزت نے اگلے دن بارش عطا فرمادی ......تو دیکھیے کہ بدر کے پہاڑوں کا کیا حال ہے۔ پھر اللہ رب العزت نے وہاں پر فرشتوں کو اتارا اور اپنے محبوب کی مدد کا وعدہ پورا فرما دیا۔

اگر اللہ رب العزت وہاں پر پہنچائے اور دیکھنے والا دیکھے تو عجیب منظر نظر آتا ہے۔ ایک وہ پہاڑ ہے جس پر فرشتے نازل ہوئے اور ایک وہ پہاڑ جس کی طرف اللہ کے پیارے حبیب تھے اور دوسرا وہ کھلی جگہ جس کی طرف قریشِ مکہ تھے۔ ان کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا۔ بالآخر اللہ رب العزت نے ایسی مدد فرمائی کہ ایمان والوں کو کامیابی عطا فرمادی، اور یہ کامیابی فقط اللہ رب العزت کی مدد سے ممکن ہوئی۔ اگر ہم بھی آج اللہ رب العزت کے وعدوں پر بھروسہ کریں گے تو اللہ رب العزت ہماری مدد پر بھی اسی طرح قادر ہے جس طرح اس نے اپنے انبیا کی اور ایمان والے صحابہ کی مدد فرمائی۔

غزوہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کی مدد:

قریشِ مکہ نے صحابۂ کرام کی جماعت کے بارے میں سوچا کہ یہ ایک چھوٹی سی جماعت ہے، ہم سب مل کر جاتے ہیں اور جا کر ایک ہی وقت میں ان کا قصہ ہی تمام کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ سارے قبائل کو لے کر آ گئے اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ یوں سمجھ لیں کہ پوری دنیا کو لے کر آ گئے۔ اس کو غزوہ احزاب کہتے ہیں۔ اس وقت لوگ دیکھتے تھے تو کہتے تھے:

إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ (ال عمرن:173) لوگ تمھارے لیے جمع ہو کر آ گئے ہیں ، لہٰذا تم ان سے ڈرو۔

لیکن وہ ایسی جماعت تھی کہ

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا(ال عمرن:173) اس بات کو سن کر ایمان والوں کا ایمان بڑھ گیا۔

دیکھو! آج کے حالات کو غزوۂ احزاب پر ذرا منطبق کرلو۔اس وقت بھی قریش پوری دنیا کی سپورٹ لے کر ایمان والوں کو ختم کرنے کے لیے آ گئے تھے اور یہی یہودی ڈراتے تھے کہ

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ (ال عمرن:173) سارے انسان تمھارے لیے جمع ہو کر آ گئے ہیں، بھئی! ڈرو کچھ فکر کرو۔لیکن یہ سن کر ایمان والوں کا ایمان بڑھ جاتا تھا۔اس لیے کہ ان کو یقین تھا کہ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔اور وہ کیا کہتے تھے؟

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ (ال عمرن:173)

آج بھی کفار مسلمانوں کو صفۂ ہستی سے ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور غزوۂ احزاب کی طرح سب متحد ہو کر، ایک اتحادی قوت بن کر میدان میں اترے ہوئے ہیں۔اگر آج ہم بھی اللہ کی ذات پر یقین پختہ کرلیں تو یہ کفار ہمارا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔حالات جیسے بھی ہوں ہمیں اللہ پر نظر رکھنی چاہیے۔

اللہ بس، باقی ہوس:

ہمیں ایک اللہ کافی ہے:

کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اپنے پروردگار کو راضی کرلیں۔جب وہ پروردگار راضی ہو گیا اور اس نے ہماری مدد کا ارادہ فرما لیا تو یاد رکھنا! ایمان والوں کو دنیا سے کوئی بھی ختم نہیں کر سکے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ (ال عمرن:174)

یہ (ایمان والے) لوٹے اللہ کی مدد کے ساتھ اور ایسے فضل کے ساتھ کہ ان کو مس نہیں کیا برائی نے۔

وَ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ط وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ (ال عمرن: 174)

اب آگے اللہ تعالیٰ ایک بات سمجھاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ص فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (ال عمرن: 175) یہ شیطان جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، تم ان سے مت ڈرنا ایک مجھ سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو۔

تو ہمیں کس سے ڈرنا ہے؟ ایک اللہ رب العزت سے ڈرنا ہے۔

اللہ کے فیصلے:

ایک حدیث پاک میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ بات سمجھائی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں سواری پر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے سوار تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَا غُلَامُ اِنِّىْ اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اَحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اللّٰهُ، اِحْفَظَ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، اِذَا سَئَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَ اعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَ جَفَّتِ الصُّحُفِ۔

”اے لڑکے میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں۔ تو اللہ کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا (یعنی تو اللہ کا دھیان رکھ اللہ تیری حفاظت کریں گے) تو اللہ کی بات کو مان، تو اللہ کو اپنے سامنے پائے گا۔ جب تم

نے مانگنا ہو تو اللہ سے مانگو! اگر مدد مانگنی ہے تو اللہ سے مدد مانگو! جان لو! اگر ساری مخلوق تجھے نفع دینے کے لیے اکٹھی ہو جائے تو وہ وہی نفع پہنچا سکے گی جو اللہ نے لکھا ہوا ہوگا۔ اور اگر ساری مخلوق تجھے نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو اللہ نے لکھ دیا۔ قلم اٹھالی گئی ہے اور صحیفے کی سیاہی خشک ہو چکی ہے۔''

یعنی جو کچھ اللہ نے لکھنا تھا وہ لکھا جا چکا ہے۔ لہٰذا اب پوری دنیا مل کر نہ تو تمہیں نفع دے سکتی ہے اور نہ ہی نقصان دے سکتی، اگر کچھ ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر ہمیں مدد مانگنی ہے تو کس سے مانگنی ہے؟ اپنے پروردگار سے مانگنی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا طریقہ:

جب حضرت موسیٰؑ کی قوم نے خود حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہمارے اوپر تو آپ کے آنے سے پہلے بھی مصیبت تھی اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔

اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَأْتِيَنَا وَ مِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (الاعراف:129)

تو حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں کیا کہا تھا؟

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا (الاعراف:128) موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر اختیار کرو۔

دو باتیں کہی جا رہی ہیں۔ اللہ سے مدد مانگو اور صبر اختیار کرو۔ چنانچہ جب قوم نے صبر کیا اللہ سے مدد مانگی تو اللہ رب العزت نے مدد کر دی، ہمیں بھی یہی حکم دیا گیا...... قرآن عظیم الشان ...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ (البقرہ:45)

’’اور مدد مانگو، صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ‘‘

سبحان اللہ! ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی مدد مانگنے کا طریقہ کیا ہے۔ پہلی بات ارشاد فرمائی کہ اپنے اندر صبر و ضبط پیدا کرو اور دوسری بات یہ بتائی کہ نماز کے ذریعے مدد مانگو۔ سبحان اللہ! اللہ کے پیارے حبیب ﷺ امت کے لیے تیئیس سال روتے رہے، کوئی ماں اپنے بچے کے لیے تیئیس سال نہیں روئی کوئی باپ بیٹے لیے تیئیس سال نہیں رویا ہوگا، میرے آقا امت کے لیے تیئیس سال روتے رہے۔ تیئیس سال رونے کے بعد اللہ کے حبیب امت کو بے یار و مددگار چھوڑ کر نہیں چلے گئے ۔ بلکہ اس امت کو نماز کے ذریعے اللہ سے مانگنے کا طریقہ سکھا کر گئے کہ اگر میرے جانے بعد تم پر کوئی ایسا وقت آجائے تو تم اس وقت نماز کے ذریعے سے اپنے رب سے مانگنا۔ جب کسی دفتر سے کام کروانا ہوتا ہے تو Application (درخواست) بھرنی پڑتی ہے۔

حج پہ جانا ہے، اپلیکیشن بھرو!

ویزہ لینا ہے، اپلیکیشن بھرو!

اسی طرح

اللہ سے مدد مانگنی ہے، اپلیکیشن بھرو!

اس اپلیکیشن کا نام نماز ہے۔ ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی پر مصیبت آتی تھی تو وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے پھر اللہ سے دعا مانگتے تھے۔

جی ہاں! یہ دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ سے دعا مانگنا۔ ایک طریقہ ہے۔ کاش! ان حالات میں ہم اس کو اپنی

زندگی کا ایک حصہ بنالیں ہماری کوئی رات تہجد کی چند رکعتوں کے بغیر نہ گذرے۔ہم اللہ سے اٹھ کر مانگیں کہ اللہ! اپنی مدد عطا کر دیجیے۔

فجر کی سنتوں پر تین انعام:

واقعی! نماز کے ذریعے اللہ کی مدد اترتی ہے۔فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھا ہے جو شخص فجر کی سنتیں گھر پڑھ کر مسجد میں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تین انعام عطا فرماتا ہے،ایک تو فجر کی سنتیں خود ''سنتیں'' ہیں اور ان کو گھر سے پڑھ کر مسجد جانا الگ سنت ہے، جو بندہ اس سنت پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تین انعامات عطا فرماتا ہے۔ایک تو اس گھر کے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔آج دیکھو تو شاید نوے فیصد لوگ کہیں گے کہ گھر کی مصیبتیں ہیں۔

اولاد کی نافرمانی

بیوی کی پریشانی

گھر کے تقاضے پورے نہیں ہوتے

میاں بیوی کے درمیان نہیں بنتی۔

پہلا انعام یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ان پریشانیوں سے نجات عطا فرما دیتے ہیں۔جو بندہ فجر کی سنتیں گھر میں پڑھ کر مسجد میں جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوسرا انعام یہ دیتے ہیں کہ اس بندے کے رزق میں اللہ تعالیٰ کشادگی عطا فرما دیتے ہیں،یعنی

جاب اور بزنس کے مسئلے ختم

کارخانوں کے مسئلے ختم

مارکیٹ کے مسئلے ختم

قرضوں کے مسئلے ختم، اور

رزق کی کشادگی

تیسرا انعام سب سے بڑا انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ یہاں سے اندازہ کیجیے کہ کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب نے کیا کیا پیاری باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔عمل کرنا تو ہمارے ذمے ہے نا۔ہم اگر عمل کریں تو یہ نعمتیں ہمیں مل سکتی ہیں۔

پورا دن اللہ کی مدد حاصل کرنے کا عمل:

مسلم شریف کی روایت ہے۔ یہ حدیثِ قدسی ہے، حدیثِ قدسی کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، ......ابودرداؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يَا بْنَ آدَمَ لَا تَعْجِزْ عَنْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ آخِرَهُ

”اے آدم کی اولاد! تو دن کے شروع میں (یعنی فجر کی) چار رکعت پڑھ لیا کر، (اس کی برکت سے) میں سارا دن تیرے کاموں میں تیری مدد کروں گا“

اب بتائیں کہ فجر کی نماز کتنے لوگ پڑھتے ہیں؟ آج جمعہ کی نماز میں جتنے مسلمان مسجد میں آئے ہیں ،اتنے مسلمان اگر فجر کی نماز میں مسجد میں آنے لگ جائیں تو یہ عاجز گمان کرتا ہے کہ اللہ کی مدد اتر آئے گی۔تو فرمایا کہ دن کے شروع میں چار رکعتیں پڑھ لیا کر، میں سارا دن تیرے کاموں میں تیری مدد کروں گا۔

قرب بالفرائض:

یہ نماز ایک عجیب نعمت ہے۔ یہ بندے کو اللہ سے ملا دیتی ہے۔ بلکہ بندے کو اللہ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ سنیئے! ابن سنّی نے ام میمونہ سے یہ حدیث روایت کی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا تَقَرَّبَ اِلَی الْعَبْدِ بِمِثْلِ اَدَاءِ فَرَائِضِیْ

''میرا بندہ میرا اتنا تقرب نہیں پا سکتا جتنا کہ فرض ادا کرنے سے تقرب پا سکتا ہے''

اس کو کہتے ہیں ''قرب بالفرائض''۔ یعنی فرائض پر عمل کرنے سے انسان اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ اور اس کے پیارے بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ فرائض ادا کرنے پر اتنا قرب ملتا ہے۔

قرب بالنوافل:

اور جو نفل پڑھے، وہ Cherry upon the cake ''چیری اپاوَن دا کیک'' کی مانند ہوتا ہے۔ جیسے کیک کے اوپر میٹھی میٹھی مزے دار کریم رکھتے ہیں اسی طرح وہ نفل اللہ تعالیٰ کو اتنے ہی پیارے اور اچھے لگتے ہیں۔ دستور کی بات بھی یہی ہے کہ جو بندہ Extra (اضافی) ٹائم میں اپنے مالک کا کام کرے تو وہ پیارا لگتا ہے۔ گھر کا خادم اگر آتے ہوئے شہد کی بوتل لے آئے اور کہے: جی! راستے میں خالص شہد مل رہا تھا، میں نے سوچا کہ میں آپ کے لیے لے آتا ہوں، اب اس کا یہ ڈیوٹی ٹائم تو نہیں تھا، اس نے اپنے ٹائم میں سے پانچ منٹ کے لیے رک کے شہد خریدا۔ مالک اس کو پیسے بھی دے گا اور ساتھ محبت بھی بڑھے گی کہ اس نے میرا خیال رکھا اور اضافی وقت میں میرا کام کیا۔ اس سے پتہ چلا کہ ایکسٹرا ٹائم لگانا خوشی کا باعث بنتا ہے۔ یہ نفل بھی ایکسٹرا ٹائم کا کام ہے فرائض نہیں ہیں۔ اس لیے نفل پڑھنے والے سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث قدسی میں آگے فرماتے ہیں:

وَ اِنَّهٗ لَيَتَقَرَّبُ اِلَىَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ ''اور وہ نوافل کے ذریعے اتنا میرے قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس بندے سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں''

ہمارے دل میں بھی تمنا ہونی چاہیے کہ ہم بھی اللہ کی نظر میں محبوب بن جائیں پھر وہ محبوب بھی کیسا بنتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ رِجْلَهُ الَّتِیْ يَمْشِیْ بِهَا

''پھر جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی ٹانگیں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے''

وَ يَدَهُ الَّتِیْ يَبْطِشُ بِهَا

''اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے''

وَ لِسَانَهُ الَّذِیْ يَنْطِقُ بِهٖ

''اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے''

وَ قَلْبَهُ الَّذِیْ يَعْقِلُ بِهٖ

''اور اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ سوچتا ہے''

اسی طرح کی ایک حدیث بخاری شریف میں بھی الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ ہے۔ اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: کہ

میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں

زبان بن جاتا ہوں

ہاتھ بن جاتا ہوں

پاؤں بن جاتا ہوں

یا اللہ! آپ فرما رہے ہیں!!! مالک الملک، احکم الحاکمین، ربُّ العالمین اپنے بندے کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ میں اس کے اعضا بن جاتا ہوں۔ اللہ اکبر کبیرا صرف یہی نہیں کہ یہ بات ہی بات ہے بلکہ یہ سچ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سچ کر دکھایا۔ جب نبی نے ریت پھینکی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال:17)

''اور آپ نے نہیں پھینکا جب آپ پھینک رہے تھے، وہ تو اللہ پھینک رہا تھا''

یا اللہ! آپ اتنے بڑے ہیں اور بندے کے ساتھ اتنا احسان فرماتے ہیں!!! کہ اگر وہ آپ کے حکم کی پیروی کر لیتا ہے اور استقامت کے ساتھ جما رہتا ہے تو آپ اس کو اتنی شان سے نواز دیتے ہیں!! اسی پر تو کہنے والے نے کہا:

گفتہٖ او گفتۂ اللہ بود　گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

وہ بندے کے گلے سے بات نکل رہی تھی مگر حقیقت میں ان کا بولنا اللہ کا بولنا تھا، یہی تو ہمیں یہ حدیث پاک سکھا رہی ہے کہ پھر مومن کو اللہ تعالیٰ کیا مقام عطا فرما دیتے ہیں۔ اسی حدیث پاک میں آگے فرماتے:

اِنْ سَأَلَنِىْ اَعْطَيْتُهٗ اگر (وہ بندہ) مجھ سوال کرتا ہے تو میں اس بندہ کے سوال کو پورا کر دیتا ہوں۔

وَ اِنْ دَعَانِىْ اَجِبْتُهٗ

''اور اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کر لیتا ہوں''

بھئی! ایگریمنٹ تو سامنے ہے:

اللہ تعالیٰ مدد کے لیے بھی تیار

دعا قبول کرنے کے لیے بھی تیار

جو مانگے، اسے دینے کے لیے بھی تیار

تو پھر پیچھے رہے تو ہمارا ہی کام گیا ہے نا کہ ہم اللہ سے مانگنے والے بن جائیں۔

پھر پیچھے کون ہٹا؟

ایک مرتبہ یہ عاجز ایک ملک میں جا رہا تھا۔ وہاں ایک دیوار پر ایک عجیب فقرہ لکھا ہوا دیکھا۔ میں کافی دیر تک اس کو پڑھتا رہا۔ انگریزی میں لکھا ہوا تھا۔ مگر لکھنے والے نے عجیب بات لکھ ڈالی تھی۔ لکھا ہوا تھا:

If you feel God is away, guess who moved

''اگر تم محسوس کرتے ہو کہ اللہ دور ہے تو یہ اندازہ لگاؤ کہ پیچھے کون ہٹا''

واقعی اللہ تعالیٰ تو اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ تو پھر پیچھے کون ہٹتا ہے؟ بندہ خود ہٹتا ہے۔ اگر ہم سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اللہ رب العزت کے حکموں پر عمل کرنے والے بن جائیں تو اللہ تعالیٰ اس ایگریمنٹ کے مطابق بندے کو یہ نعمتیں عطا فرما دیں گے۔ یہ دنیا میں کامیابی اور غلبہ حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ ہے۔

اے رب کا راستہ بھولنے والے! سن ذرا!

اگر انسان اللہ کے در کا راستہ بھول جائے اور رخ پھیر لے تو ایک حدیث قدسی میں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِبْنِ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ اَمْلَاءُ صَدْرَكَ غِنًی وَ اَسُدُّ فَقْرَكَ

”اے ابنِ آدم! تو میری عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر لے میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو روک دوں گا“

وَ اِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ صَدْرَكَ شُغْلًا وَ لَمْ اَسُدَّ فَقْرَكَ

اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے سینے کو کاموں سے بھر دوں گا اور تمہارا فقر نہیں روکوں گا۔ ایک کام ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا کام دل میں ڈال دوں گا اور دوسرا ختم نہیں ہوگا کہ تیسرا کام دل میں ڈال دوں گا۔ جیسا کہ آج کل ہم پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور آگے فرمایا کہ تمہارے فقر کو روکوں گا نہیں۔ اتنا کمائیں گے کہ تھک ہار کر رہ جائیں گے مگر خرچے پورے نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج گھر کے سب لوگ نوکریاں کر رہے ہوتے ہیں لیکن خرچے پھر بھی پورے نہیں ہوتے۔ جس کو دیکھو اسی کو گلہ کہ خرچے پورے نہیں ہوتے۔ تو پھر ان خرچوں کو تو اللہ ہی پورا فرمائے۔

کامیابی کا صرف ایک ہی راستہ:

ہمارے پاس کامیابی کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اپنی نگاہیں مخلوق سے ہٹائیں اور اللہ کی ذات پر جمادیں اور یوں کہیں:

”حَسْبُنَا اللّٰہُ“ ”ہمارے لیے اللہ کافی ہے“

اس لفظ کو سوچیے گا۔ یہ ہم بہت بڑی بات کر رہے ہیں۔ ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (الاحزاب:3)

”اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اور اللہ کارساز کافی ہے“

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

وَ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (الطلاق:3)

''جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے''

ایک اور جگہ پر فرمایا:

وَعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْآ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (المآئدہ:23)

''اللہ ہی پر توکل کرو اگر تم مومن ہو''

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ فَاعْبُدْہُ وَ تَوَکَّلْ عَلَیْہِ (ھود:123)

''تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں سو اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو''

ہمیں بار بار کہا گیا ہے کہ

اللہ پر توکل کرو

اللہ کی طرف دھیان کرو

اللہ پہ نظریں جماؤ

اللہ کا دوست بننے کا فائدہ:

جو بندہ اللہ تعالیٰ کا دوست بنتا ہے پھر اللہ رب العزت اس کا معاملہ خود سمیٹتا ہے اس سلسلے میں بھی حدیث پاک سن لیجیے۔ فرمایا:

مَنْ عَادَلِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ

”جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے“

غور کیجیے کہ اللہ کا دوست بننے کا فائدہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا اس بندے کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے۔ اللہ اکبر کبیرا

واقعی! اللہ رب العزت نے اپنا یہ وعدہ سچ کر دکھایا۔ بدر میں صحابہ سمجھتے تھے کہ ہم نے کافروں کو قتل کیا مگر اللہ تعالیٰ نے بات ہی صاف کر دی۔ فرمایا

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (الانفال:17)

میرے مالک تیری عظمت پہ قربان جائیں، آپ اپنے قول کے کتنے سچے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کو تو اللہ نے قتل کیا ہے۔ تو بھئی! اگر ہم اپنے اللہ پر نظریں جمائیں گے تو وہ ہمارے الٹے کاموں کو سیدھا کر دیں گے۔ ہماری مشکلات کو آسان کر دیں گے اور ہمیں اللہ تعالیٰ مصیبتوں سے محفوظ فرما دیں گے۔ اسی لیے ہمیں اکثر و بیشتر کہنا چاہیے:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ

ایک وجد آفرین کلام:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ایک بات بڑے عجیب انداز میں ارشاد فرماتے ہیں! ارشاد فرمایا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر:36) کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟

یہ آیت پڑھتے ہیں نا تو دل کو کچھ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔ مفسرین نے فرمایا: کہنے کا مقصود یہ تھا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر:36) کیا اللہ اپنے ہر بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟

جب ہم نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ لی تو ہم کیا کہیں؟

ہم کہیں: ''ہمارے لیے اللہ کافی ہے''

دس کلمات پڑھنے والے کے لیے اللہ کافی ہے:

اب ذرا ایک حدیث مبارکہ سن لیجیے۔ کیونکہ آج کل کے حالات میں پریشان حال لوگ کہتے ہیں کہ جی! کچھ پڑھنے کے لیے بتا دیں لہٰذا پڑھنے کی بات بھی سن لیجیے۔ درمنثور میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ دس کلمات پڑھنے والے کے لیے اللہ کافی ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے پانچ باتیں دنیا سے متعلق ہے اور پانچ باتیں آخرت سے متعلق ہیں۔ آپ ان دس باتوں کو یاد کر لیں۔ ایک بات بھی روز یاد کریں تو دس دنوں میں حدیث پاک یاد ہو جائے گی۔ پھر آپ اس حدیث پاک کو اپنی دعاؤں کا حصہ بنا لیں۔ جب آپ ان فقروں کو پڑھیں گے تو اللہ آپ کے کاموں کو کفایت فرما دیں گے۔

(۱) حَسْبِیَ اللّٰہُ لِدِیْنِیْ

میرے دین کے لیے میرا اللہ کافی ہے

یعنی دین میں کوئی فتنہ وفساد نہ آ جائے ۔ یاد رکھیں دین میں فتنے دو طرح سے آتے ہیں۔ ایک شبہات کی وجہ سے ایک شہوات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں قسم کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ ہمارا دین سلامت رہے۔

(۲) حَسْبِیَ اللّٰہُ لِمَا اَھَمَّنِیْ

''میرا اللہ کافی ہے ہر اس چیز کے لیے جو مجھے پریشان کرتی ہے''

بندہ پریشان کرتا ہے، کوئی چیز پریشان کرتی ہے، کاروبار پریشان کرتا ہے، جو چیز بھی ٹف ٹائم دے رہی ہے، میرا اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

(۳) حَسْبِیَ اللّٰهُ لِمَنْ بَغٰی عَلٰی

''میرا اللہ کافی ہر اس کے لیے جو مجھ پر سرکشی کرے''

یعنی چڑھ دوڑے۔ چنانچہ اگر ہمارے اوپر کوئی چڑھ دوڑنا چاہتا ہے تو اس کے لیے اللہ کافی ہو جائے گا۔

(۴) حَسْبِیَ اللّٰهُ لِمَنْ حَسَدَنِیْ

''میرا اللہ کافی ہے ہر اس کے لیے جو مجھ سے حسد کرتا ہے''

دفتروں کی زندگیوں میں بہت حسد ہوتا ہے۔ leg pulling (ٹانگیں کھینچی جاتی ہیں) اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ سب حاسدوں سے بندے کو نجات عطا فرما دیتے ہیں۔

(۵) حَسْبِیَ اللّٰهُ لِمَنْ کَادَنِیْ بِسُوْءٍ

''میرا اللہ کافی ہے ہر اس کے لیے جو میرے لیے برے منصوبے بناتا ہے''

اب برے منصوبے بنانے والا کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ کوئی بندہ ہوسکتا ہے کوئی جماعت ہوسکتی ہے۔ ایمان والوں کے خلاف کوئی ملک منصوبے بنا رہا ہے۔ جو مرضی بنا رہا ہے اللہ ان سب کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

یہ پانچ باتیں دنیا کے لیے ہوگئیں۔ اب پانچ باتیں آخرت کے لیے سن لیجیے۔

(۱) حَسْبِیَ اللّٰهُ عِنْدَ الْمَوْتِ

''میرا اللہ کافی ہے موت کے وقت''

موت کا لمحہ انسان کی زندگی کا سب سے نازک لمحہ ہوتا ہے۔

(۲)حَسْبِیَ اللّٰہُ عِنْدَ الْمَسْئَلَةِ الْقَبْرِ

”میرا اللہ کافی ہے قبر کے سوال کے وقت میں“

(۳)حَسْبِیَ اللّٰہُ عِنْدَ الْمِیْزَانِ

”میرا اللہ کافی ہے جب میزان پر اعمال تولے جائیں گے“

(۴) حَسْبِیَ اللّٰہُ عِنْدَ الصِّرَاطِ

”میرا اللہ کافی ہے پل صراط سے گذرنے کے وقت“

(۵)حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ

اگر یہ دس فقرے ہم ہر نماز کے بعد پڑھ لیں تو ہمارا پروردگار ہمارے دنیا اور آخرت کے مسائل کے لیے کافی ہو جائے گا

میرے لیے یہی عزت کافی ہے:

سیدنا علی کرم اللہ وجہ ایک عجیب بات فرماتے تھے:

”اے اللہ! میرے لیے یہ عزت کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے اور میرے لیے یہی فخر کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں“۔

اللہ اکبر کبیرا،

رب سے اپنا رشتہ جوڑ:

ہمیں بھی اسی طرح اپنی نظریں ہر طرف سے ہٹا کر اپنے پروردگار کے اوپر جمالینی چاہئیں۔ پھر دیکھیے

اللہ رب العزت اپنے وعدوں کو کیسے پورا فرماتے ہیں۔ کہنے والے نے کہا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

جھوٹی دنیا سے منہ موڑ رب سے اپنا رشتہ جوڑ

کون ہے تیرا اس کے سوا

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

بچپن کا سبق:

ہمارے اسلاف یہ پیغام چھوٹے بچے کو لوری دے کر شروع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ پرانے وقتوں کی مائیں بچوں کو سلانے کے لیے لوری دیتے ہوئے کہتی تھیں:

حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰہ مَا فِیْ قَلْبِیْ غَیْرُ اللّٰہ

نُوْرِ مُحَمَّدْ صَلَّی اللّٰہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

یہ حسبی ربی ہمارا بچپن کا سبق تھا۔ اللہ رب العزت ہمارے دنیا اور آخرت کے کاموں میں کافی ہو جائے اور ہمیں اپنے مغفرت کیے ہوئے گنہگار بندوں میں شامل فرما لے (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ